فکرونظر............ اسلام آباد　　　جلد ۴۹　　　شمارہ:۱

اسلامی قرطبہ کی تعلیمی سرگرمیاں اور جامع مسجد قرطبہ کا کردار

ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین☆

Abstract

The modern spainish city Cordova was once the Capital Of Islamic Caliphet (773-1232 A.D.). It palyed a great role in the promotion of culture and education as well. No other city in Europe competed it niether in education nor in materialistic advancement throughout the centuries. Many facilites for education were introduced over there, some of them for the first time in the history of Europe. For example special institutions were established to educate the people without any discrimination of colour, race, language and religion. The Great Mosque of Cardova was prominent centre of education. It worked as a board for education, a university for higher studies and a centre for debates.

Facilities for education included the board and lodging for the students, arrangments for lightening and the educational halls and hostels, production of ink and writing materials, production of paper etc. Eminent scholars like Ibn-e-Rushd, Ibn-e-Arabi, Musa bin Maimun, Ibn-e-Hazam are the product of Cordova educational movement associated with the Mosque.

☆ ڈاکٹر اکرام الحق یٰسین، اسسٹنٹ پروفیسر، شریعہ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،اسلام آباد۔

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.　　http://iri.iiu.edu.pk/

بر اعظم یورپ کے جنوب مغربی کنارے پر موجود جزیرہ نما آئبیریا(Iberian Peninsula) جو کوہستانِ پیرینیز(Pyrenees) کی وجہ سے باقی بر اعظم سے کافی حد تک کٹا ہوا ہے اور آج کل سپین (Spain) اور پرتگال (Portugal) نامی دو ممالک پر مشتمل ہے۔مسلمانوں نے اس پر تقریباً ۸۰۰ برس تک حکومت کی۔ اِسلامی تاریخ میں اس ملک کو 'اندلس' کے نام سے موسوم کیاجاتا ہے۔ اندلس جو کبھی اپنی وسعت میں پھیلتا ہوا موجودہ سپین اور پرتگال کے ساتھ ساتھ فرانس کے جنوبی علاقوں اربونہ (Narbonne)، بربنیان (Perpignan)، قرقشونہ (Carcassonne) اور تولوشہ (Toulouse) وغیرہ تک جا پہنچا تھا، دورِ زوال میں اس کی حدود سکڑتے ہوئے محض غرناطہ (Garanada) تک محدود ہوگئیں۔ تاریخ اندلس جہاں ہمیں عروج و زوال کی ہوش ربا داستان سناتی ہے وہاں قرون وسطیٰ میں مسلمان علماء کی علمی ترقی اور مسلمان سائنس دانوں کے عظیم کارہائے نمایاں سے بھی نقاب الٹتی ہے۔ وہ ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرتی ہے کہ یورپ کی موجودہ تہذیبی برتری اور سائنسی ترقی کی بنیادوں میں دراصل قرونِ وسطیٰ کے مسلمان اہل علم اور سائنس دانوں کا ہی ہاتھ ہے۔ اندلس کی اسلامی تاریخ کو درجِ ذیل سات بڑے تاریخی ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: فتوحات و عصرِ والیان اندلس (۱۹ جولائی ۷۱۱ء تا ۷۷۳ء)، دورِ بنو امیہ (۷۷۳ء تا ۱۰۰۸ء)، دورِ ملوک الطّوائف (۱۰۰۸ء تا ۱۰۹۱ء)، دورِ مرابطین (۱۰۹۱ء تا ۱۱۴۵ء)، دورِ موحّدین (۱۱۴۷ء تا ۱۲۱۴)، طوائف الملوکی (۱۲۱۴ء تا ۱۲۳۲)، دورِ بنو نصر (غرناطہ ۱۲۳۲ء تا ۲ جنوری ۱۴۹۲ء)۔ اندلس کی ترقی اور تہذیب سازی ایک نہایت وسیع موضوع ہے جس پر بہت کچھ لکھا بھی گیا ہے اور مسلمانوں کے سوتے ضمیر جگانے کے لیے مزید بہت کچھ لکھنے کی ضرورت بھی ہے مگر یہاں ہمارا موضوع صرف ماضی کی اس ترقی یافتہ تہذیب کے دارالحکومت قرطبہ اور جامع مسجد قرطبہ کی تعلیمی خدمات کی ایک جھلک پیش کرنا ہے۔

جدید سپین کا شہر قرطبہ وہاں کی ریاست اندلوسیہ کی ڈویژن قرطبہ کا مرکزی شہر بھی ہے۔ جس کی آبادی لگ بھگ تین لاکھ دس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ یہ شہر صقلیہ کے شمال مشرق میں ۱۳۸ کلو میٹر پر واقع ہے۔یہ جدید سپین کا واحد شہر ہے جس میں عرصہ دراز سے کمیونسٹ پارٹی کی حکومت ہے۔ یوں تو یہ کافی پرانا شہر ہے جس پر ۲۰۶ء قبل مسیح میں رومیوں کا قبضہ ہوا۔ مگر اس نے اصل شہرت اور اہمیت دسویں صدی عیسوی میں پائی جب یہ مسلم اندلس میں علم و فن اور تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے مرکزی حیثیت اختیار کرگیا۔ اس میں سب سے پہلا اسلامی ورود آٹھویں صدی عیسوی میں ہوا جب اکتوبر ۷۱۱ء میں قرطبہ اسلامی کمانڈر مغیث رومی کے ہاتھوں فتح ہوا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ

اندلس کی تمام اسلامی فتوحات میں وہاں کے مفلوک الحال مقامی باشندوں خصوصاً یہودیوں نے مسلمان فاتحین کا بھرپور ساتھ دیا۔[۱]

جامع مسجد قرطبہ کا مختصر محل وقوع اور پس منظر

یہ عظیم مسجد وادی الکبیر (ہسپانوی Guadalquivir) میں دریا پر بنائے گئے قدیم ترین پل کے قریب اس جگہ واقع ہے جہاں رومانی بت پرستوں کے زمانے میں ایک بت خانہ ہوا کرتا تھا۔ جب یہاں عیسائیت پھیلی تو اس بت خانے کو گراکر سینٹ ونسنٹ (St. Vincent of Saragossa) کی یاد میں ایک گرجا گھر تعمیر کردیا گیا۔ پھر جب مسلمانوں کا دور آیا تو اس گرجا گھر کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا ایک میں عیسائی عبادت کرتے تھے اور دوسرا حصہ مسجد قرار پایا۔ پھر جب عبد الرحمٰن الداخل کے زمانے میں مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو گرجے کا دوسرا حصہ بھی بھاری قیمت دے کر خرید لیا گیا اور وہاں مسجد قرطبہ تعمیر ہوئی۔

یہ ایک مستطیل شکل کی مسجد ہے جس کی دیواریں بڑے قیمتی اور نفیس پتھروں سے بنی ہیں، اس کے مینار ستر فٹ بلند بنائے گئے۔مسجد کے ستونوں کی کل تعداد ۱۳۹۰ ہے جو اعلیٰ معیار کے دیدہ زیب سنگ مرمر سے تعمیر کیے گئے تھے۔ ان ستونوں کی ترتیب کچھ اس وضع پر تھی کہ ان کے تقاطع سے دونوں طرف کثرت سے متوازی راستے بن گئے تھے۔ ان ستونوں پر پرتکلف نعلی محرابیں (Horseshoe Arches) قائم ہیں۔ یہ محرابیں یوں دوہری بنائی گئی تھیں کہ ایک محراب پر دوسری بنا کر اسے چھت سے ملا دیا گیا تھا۔ ان محرابوں پر کہیں کہیں قُبے بنائے گئے تھے جن میں سے چند ایک ابھی تک باقی ہیں۔ چھت زمین سے تیس فٹ کے قریب بلند تھی جس کی وجہ سے مسجد میں ہوا اور روشنی کا حصول آسان ہوگیا تھا۔ چھت پر دو سو اسی جگمگاتے ستارے بنائے گئے تھے، اندرونی دالان کے ستارے خالص چاندی کے تھے، اس کے علاوہ چھت مختلف چوبی پٹیوں (Panells) سے آراستہ تھی۔ ہر پٹی پر نقش و نگار کا مختلف انداز تھا۔ دالان کے دروازے پر سونے کا کام کیا گیا تھا جب کہ محراب اور اس سے متصل دیوار سونے کی تھی۔ مقری نے لکھا ہے کہ یہ بات مشرقی ممالک کے عام لوگ بیان کیا کرتے تھے کہ مسجد قرطبہ میں سال کے دنوں کے مطابق ۳۶۰ طاق بنائے گئے تھے اور ان کا کمال یہ تھا کہ ہر روز سورج کی روشنی ایک طاق میں سے مسجد میں داخل ہوتی تھی یہاں تک کہ سال بھر میں ان تمام طاقوں میں سے گزر کر دھوپ اور روشنی اندر آتی تھی، مگر یہ بات اہلِ اندلس سے کبھی سننے میں نہیں آئی، واللہ اَعلم۔[۲]

مسجد مکمل ہونے کے بعد اس کی وسعت چوبیس ہزار میٹر ہوگئی تھی اور جب قرطبہ کی آبادی نصف ملین نفوس پر مشتمل تھی تو اس وقت مسجد میں چالیس ہزار نمازیوں کی گنجائش موجود تھی۔ مسجد کا محل وقوع قصر خلافت کے سامنے ہے اور قصرِ خلافت کے آس پاس خلیفہ کے اہل خانہ کے محلات ہیں جو باغات سے مزین ہیں اور ان کے آس پاس ایک بڑی فصیل بنادی گئی ہے۔

اس موقع پر علامہ اقبال نے مسجد کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے چند اشعار یوں ہیں:

تیرا جلال و جمال، مردِ خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل، تو بھی جلیل و جمیل

تیری بناء پائیدار، تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجومِ نخیل

تیرے درو بام پر وادیٔ ایمن کا نور
تیرا مینارِ بلند جلوہ گہِ جبرئیل

مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں، کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل(۳)

تعلیمی سرگرمیاں

قرطبہ میں جس دور میں تعلیم وثقافت اپنے دورکمال کوپہنچی وہ حَکَم ثانی اور اس کے بعد کادور ہے حکم کے دور میں مسجد قرطبہ اور جامع قرطبہ کے تعلیمی حلقوں کو مزید وسعت ملی جس کی وجہ سے قرطبہ عالمی سطح پہ دنیا کا تعلیمی مرکز بن گیا اور مسجد قرطبہ نے بھی حقیقتاً ایک بڑی یونیورسٹی کی ایک شکل اختیار کرلی۔ پھر منصور بن ابی عامر کے دور میں یہی مسجد دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی بن گئی۔(۴) اس کے ساتھ ساتھ یہ صرف نماز کی جگہ ہی نہیں تھی، یہیں سے حکومتی احکام جاری ہوتے تھے اور یہیں عدالت عظمیٰ لگتی تھی۔ اس میں تعلیم کے مختلف حلقے لگتے تھے۔ اس کے دارالحدیث کے شیوخ میں بڑے بڑے محدثین کے نام تھے۔ ان میں ایک نام ابوبکر بن معاویہ القرشی کا ہے۔ ادب کے حلقے میں کتاب الامالی کے مصنف ابوعلی القالی جیسے نام ملتے ہیں۔ نحو اور صرف کے شیوخ میں ابن القوطیۃ اور ان کے ہم پلہ لوگ شامل تھے۔ یہاں تعلیم کے مختلف درجات تھے: پرائمری سطح پر قرآن حکیم، عربی

زبان کے منتخب ادب پاروں، خطوط نویسی، انشاء پردازی اور عربی قواعد کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اندلس کی ہر بڑی بستی میں کئی مدارس تھے جن میں ثانوی تعلیم کا انتظام تھا۔ قرطبہ کے ایسے ستائیس مدارس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اسی طرح قرطبہ، اشبیلیہ، سرقسطہ اور جیان میں اعلیٰ تعلیم کی جامعات قائم تھیں جہاں بالعموم بلامعاوضہ تعلیم دی جاتی تھی۔ اکثر اساتذہ کو حکومت کی طرف سے مشاہرے ملتے تھے اور نادار طلباء کی ضروریات کی کفالت بھی حکومت کرتی تھی۔

ان جامعات میں حدیث، تفسیر، ادبیات تاریخ،(۵) علوم طبیعیہ (Natural Sciences)، علم ہیئت (Astronomy)، ریاضی (Mathematics)، علم طب (Medical Sciences)، علم فلکیات و نجوم (Astrology)، کیمیا (Chemistry)، نباتات (Botany) جغرافیہ (Geography)، منطق اور تاریخ طبیعیات وغیرہ اور بے شمار صنعتی علوم و فنون بھی پڑھائے جاتے تھے۔ بنو امیہ کے دور میں صرف قرطبہ کے تعلیمی حلقوں میں فقہاء کی تعداد چار ہزار کے قریب تھی۔ فقہ میں اہل قرطبہ اگرچہ امام مالکؒ کے مسلک پر تھے مگر ان کے اپنے اجتہادات بھی حجت (اتھارٹی) تصور کیے جاتے تھے۔

حکام کا علمی ذوق اس قدر بلند تھا کہ اکیلے عبدالرحمٰن الناصر نے علماء کی خوب حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی۔ وہ پورے عالم اسلام سے چن چن کر علماء کو قرطبہ لایا۔ اس زمانے میں ہر علم و فن کے ائمہ اندلس میں موجود تھے۔ اس طرح عبدالرحمٰن کے دور (۳۰۰-۳۵۰ھ) میں علم، ثقافت اور تہذیب خوب پھولی پھلی۔ عبد الرحمٰن کی وفات کے بعد اس کا بیٹا حکم المستنصر تخت نشین ہوا جو کہ علم اور اہل علم کی قدردانی میں باپ سے بھی دو قدم آگے تھا۔ اس نے علماء کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کی اور انہیں معاشرے میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار کیا۔ خلیفہ کی طرف سے بے حد قدردانی کی وجہ سے دنیا بھر سے علماء اندلس کی طرف کھنچے چلے آئے اور درس کے حلقے ہر علاقے میں پھیل گئے۔ لوگوں میں اپنے بچوں کو علم و ادب سکھانے کا شوق خوب بڑھا۔ معلمین اور مربیوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوا اور نادار لوگوں کے لیے پرائمری سکول طرز کے ادارے قائم کیے گئے جن میں انہیں مفت تعلیم دی جاتی تھی بلکہ اس کے ساتھ مدرسین اور طلباء کے اخراجات پورے کرنے کے لیے قرطبہ اور اس کے گرد و نواح میں بڑی بڑی جائیدادیں وقف تھیں۔(۶)

خلیفہ حکم نے مسجد کے صحن میں ۲۷ مدرسے قائم کیے جن کے لیے باقاعدہ باتنخواہ مدرسین کا تقرر کیا گیا اور انہیں وقتاً فوقتاً اللہ کی رضا کی خاطر کام کرنے اور محنت کرنے کی یاددہانی کرائی جاتی تھی۔

نجی تعلیمی ادارے اس کے علاوہ تھے۔ مستحق طلبہ کو بھی حکومت کی طرف سے وظائف ملتے اور دورانِ تعلیم ان کی کفالت کی مکمل ذمہ داری حکومت پر تھی۔ اندلس تعلیمی میدان میں دور جدید کی کسی بھی فلاحی ریاست کے مقابلے میں کسی طور کم نہ تھا اور اس کا سب سے بڑا امتیاز یہ تھا کہ لوگ علم کو برائے علم حاصل کرتے تھے نہ کہ برائے معاش۔

تعلیم کے لیے معاون سہولیات

اُ۔ کتب خانے

قرطبہ میں اندلس کے دوسرے اموی خلیفہ حکم ثانی(۹۶۱-۹۷۶ء) کی لائبریری اپنے دور میں دنیا کی سب سے بڑی لائبریری تھی جہاں قرآن، حدیث، فقہ، دیگر مذہبی علوم اور تمام مروجہ سائنسی اور عقلی علوم پر مشتمل چار لاکھ سے چھ لاکھ تک کتب موجود تھیں۔ اس کے مقابلے میں سوئٹزرلینڈ میں واقع بقیہ یورپ کے سب سے بڑے کتب خانے میں صرف چار سو کتابیں تھیں جو بھیڑ یا بکری کی کھال پر لکھی گئی تھیں۔ خلیفہ حکم ثانی کی اس لائبریری کی کیٹلاگ ۴۴ بڑی جلدوں پر مشتمل تھی۔ خلیفہ خود بہت بڑا عالم تھا اور علومِ دینیہ کے ساتھ ساتھ سائنس سے گہری دلچسپی رکھتا تھا اس لیے وہ اکثر کتابوں کا مطالعہ خود کرتا تھا اور جابجا اس کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے حواشی ان کتابوں پر پائے جاتے تھے۔ خلیفہ نے کتابوں کی خریداری کے لیے خاص نمائندے مقرر کر رکھے تھے جو دنیا بھر سے اس کے لیے کتابیں خرید کر لاتے تھے۔ کتب خانہ صرف خلیفہ تک محدود نہیں تھا بلکہ اس سے استفادہ کرنے کے لیے ہر کسی کو صلائے عام تھی۔ خلیفہ نادار طلباء کو وظائف بھی فراہم کیا کرتا تھا۔(۷)

عوام کی علم دوستی

مقری نے اپنی کتاب نفح الطیب کے چوتھے باب میں قرطبہ کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جس میں اہل قرطبہ کی کتاب دوستی اور علم دوستی کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ انہی حالات میں ایک بات یہ بھی لکھی ہے کہ قرطبہ کے اشرافیہ میں سے اگر کوئی شخص علم سے تہی دامن بھی ہوتا تو اپنے ہاں فخر کے لیے لائبریری ضرور قائم کرتا۔ انہوں نے ابن سعید المغربی سے نقل کیا ہے کہ میرے والد نے بتایا کہ قرطبہ کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہاں کے لوگ خوش لباس ہیں اور دینی ظاہر داری کے عادی ہیں، نماز کے پابند ہیں اور بڑی جامع مسجد کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ شراب کے برتن کہیں نظر آئیں تو انہیں توڑ دیتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی برائی پائی بھی جائے تو اسے چھپاتے ہیں، اپنے خاندانی وقار، شجاعت اور علم پر فخر کرتے ہیں۔ قرطبہ اندلس کے تمام شہروں سے کتابوں میں فوقیت رکھتا

ہے اور یہاں کے باشندے پورے ملک کے لوگوں سے زیادہ کتب خانوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ حکومتی مناصب پر فائز ہونے کے لیے کتب خانوں کے اہتمام کا مظاہرہ ایک قابلیت شمار ہوتاہے، یہاں تک کہ اگر کسی رئیس زادے کے پاس علم نہیں بھی ہوتا تو وہ کتابوں کے انتخاب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتاہے اور اس بات پر فخر کرتاہے کہ جو کتاب میرے پاس ہے وہ کسی اور کے پاس نہیں اور اس بات پر بھی کہ میرے پاس فلاں خطاط کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔(۸)

حضرمیؒ نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے، کہتے ہیں: مجھے ایک کتاب کی سخت طلب تھی جس کی تلاش میں میں قرطبہ آیا اور کافی دنوں تک وہاں ٹھہرا رہا اور ہر روز مسلسل کتابوں کے بازار میں اس کی تلاش کے لیے گھومتا رہتا، یہاں تک کہ ایک د ن وہ کتاب مجھے نظر آگئی جو اچھے خط سے لکھی ہوئی تھی اور اس کی جزو بندی بہت خوبصورت تھی۔ مجھے اس سے بے حد خوشی ہوئی۔ جب اس کی قیمت طے کرنے کا مرحلہ آیا تو ایک اور شخص میرے مقابلے میں آگیا، میں بڑھ چڑھ کر اس کی قیمت لگاتا رہا اور وہ شخص مجھ سے بڑھ کر لگاتا رہا، یہاں تک کہ میرے خیال میں کتاب کی قیمت حد سے بڑھ گئی۔ میں نے دوکان دار سے کہا: مجھے وہ شخص تو دکھاؤ جس نے میرے مقابلے میں اس کتاب کی اتنی قیمت لگائی ہے کہ جو اس کی اصل قیمت سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس نے مجھے ایک شخص دکھایا جو اپنے لباس سے رئیس معلوم ہوتا تھا۔ میں اس کے قریب ہوا اور کہا: ہمارے حضرت فقیہ محترم کو اللہ عزت دے اگر جناب کو اس کتاب کی واقعی ضرورت ہے تو میں آپ کے لیے اسے چھوڑ دیتا ہوں کیوں کہ اس کی قیمت بڑھتے بڑھتے حد سے بھی گزر گئی ہے۔ وہ شخص بولا: میں فقیہ نہیں ہوں اور نہ مجھے یہ پتہ ہے کہ اس کتاب کے اندر کیا لکھا ہے۔ میں نے تو اپنے ہاں ایک کتب خانہ بنایا ہے اور اس بات کا خیال رکھتا ہوں کہ علاقے کے رؤسا کے درمیان میرا کتب خانہ خوبصورت نظر آئے۔ اس کتب خانے میں صرف اتنی جگہ باقی ہے جس میں یہ کتاب پوری آسکتی ہے۔ چوں کہ اس کا رسم الخط بھی خوبصورت ہے اور جلد بھی اچھی ہے تو یہ مجھے پسند آگئی ہے۔ میں اس کی جس قدر بھی زائد قیمت ادا کروں مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ نے مجھے رزق بہت دیا ہے اس کا بڑا شکر ہے۔ حضرمیؒ کہتے ہیں: مجھے اس بات سے بہت تکلیف ہوئی، یہاں تک کہ میں نے اس سے کہہ ڈالا ''تم ٹھیک کہتے ہو، زیادہ رزق تم جیسوں کے پاس ہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ بادام ان لوگوں کو دیتا ہے جن کے دانت نہیں ہوتے۔ مجھے معلوم ہے اس کتاب میں کیا ہے اور میں اس سے فائدہ بھی اٹھانا چاہتا ہوں مگر چوں کہ میرے پاس رزق کم ہے اس لیے یہ قلت میرے اور کتاب کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔(۹)

اندلس کے تمام اہم شہروں میں پبلک لائبریریاں قائم تھیں جو سرکاری خرچ پر چلتی تھیں۔ صرف قرطبہ میں ایسے ستر عوامی کتب خانے تھے۔ متعدد مرد و خواتین کی ذاتی لائبریریاں بھی تھیں جن میں ابن فطیس کی لائبریری سب سے بڑی تھی جس میں ہر وقت چھ نساخ نقول کرنے کا کام کرتے تھے۔ اس کتب خانے کے مہتمم شہر کے ایک بڑے عالم تھے۔ اس کی ضخامت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب یہ خاندان اسے فروخت کرنے پر مجبور ہوا تو چالیس ہزار دینار میں یہ کتب خانہ فروخت ہوا۔ خواتین میں عائشہ بن احمد بن محمد بن قادم، راضیہ نجم اور خدیجہ بنت جعفر التمیمی کے ذاتی کتب خانے تھے۔ عام لوگ اور کم آمدنی والے حضرات بھی اپنی آمدنی سے بچت کرکے کتابیں خریدتے تھے۔[۱۰]

اندلس میں مسلمانوں کے سیاسی زوال کے بعد پادریوں نے مسلمانوں کی تمام قابل ذکر لائبریریاں جلا دیں جن میں الحکم کی عظیم الشان لائبریری بھی شامل تھی۔[۱۱] قرطبہ کے شاہی اور نجی کتب خانوں کی بربادی کے بعد بھی بارھویں صدی عیسوی تک قرطبہ میں اندلس کے دوسرے شہروں کی نسبت کتابیں زیادہ تھیں۔

ایک طرف صلیبیوں کی اسلام دشمنی کا یہ رنگ تھا تو دوسری طرف بعض صلیبی فاتحین کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ اس علم سے فائدہ اٹھا کر یورپ کی ترقی کی راہ ہموار کی جائے۔ لہٰذا مفتوحہ علاقوں کے کاریگروں کو پابند کرکے عربی طرز پر یونیورسٹیاں بنوائی گئیں اور عربی کتب کے لاطینی زبان میں تراجم کرائے گئے۔ خصوصاً اس کا اہتمام الفانسو ششم نے ۲۵ مئی ۱۰۸۵ء میں طلیطلہ پر قبضہ کرنے کے بعد کیا۔ اس کے بعد دیگر علاقوں کے کتب خانوں پر بھی قبضہ کرکے ان کے مطالعہ اور ترجمہ کا اہتمام کیا گیا۔[۱۲]

ب۔ سائنسی تجربہ گاہیں

سائنسی تعلیم کے لیے جگہ جگہ لیبارٹریاں اور فلکیات کے لیے رصد گاہیں قائم تھیں، جن کے لیے بہت سے آلات ایجاد کیے گئے تھے۔ انہی میں سے عظیم قرطبی سائنس دان زرقالی کا بنایا ہوا معیاری اسطرلاب تھا جس کا نام اس نے **الصحیفة** رکھا۔ اس کے ذریعے اجرامِ سماوی کا مشاہدہ نہایت درست ہوتا تھا۔ ہوائی جہاز کے اصل موجد عباس بن فرناس نے قرطبہ میں اپنے گھر میں ایک فلکیاتی کمرہ (Planetarium) بنا رکھا تھا جس میں اس نے سیاروں کی گردش، بادلوں کی حرکات اور آسمانی بجلی کی مصنوعی گرج چمک کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ علم النباتات (Botany) کی تحقیق کے لیے مسلمانوں نے اندلس کی اسلامی تاریخ کے اوائل ہی میں نباتات کی تحقیق کا خاطرخواہ انتظام کیا تھا کیوں کہ یہ علم الطب کے لیے بہت ضروری تھا۔ اس سلسلے میں عبدالرحمٰن اول نے قرطبہ میں **حدیقة النباتات الطبیة**

کے نام سے ایک ایگریکلچرل ریسرچ فارم بنایا تھا، جہاں اطباء اور ماہرین نباتات (Botanists) کو پودوں کے خواص، ان کی افزائش اور اثرات پر تحقیق کے وسیع مواقع میسر تھے۔ اس فارم کے قیام کے لیے عبدالرحمٰن اول نے اندلس کے علاوہ دور دراز ممالک سے پودوں کے بیج اور درختوں کی قلمیں درآمد کروائیں۔

ج۔ روشنی کا انتظام

مساجد اور تعلیمی اداروں میں رات کے وقت روشنی کے انتظام کا تو کیا ہی کہنا، اس دور میں قرطبہ شہر کے اندر میلوں لمبی سڑکوں پر روشنی کا بخوبی انتظام تھا۔ سرِ شام گلیوں میں نصب ستونوں سے آویزاں لیمپوں میں تیل ڈال کر انہیں جلا دیا جاتا اور رات بھر ان کی روشنی سے سڑکیں اور گلیاں منور رہتیں۔

د۔ کاغذ کی فراوانی

مسلمانوں سے پہلے اہلِ ہسپانیہ کی علمی حالت قابلِ رحم تھی۔ لاکھوں کی آبادی کے شہر میں گنتی کے چند پادریوں کے علاوہ کوئی لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا اور وہ پادری چمڑے پر لکھی پرانی کتابوں کو کھرچ کر انہی کے اوپر نئی تحریریں لکھنا شروع کر دیتے تھے جس سے ان کا بچا کھچا علمی سرمایہ بھی ضائع ہوتا چلا جا رہا تھا۔ مسلمانوں نے اپنے دیگر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ وہاں کاغذ بھی متعارف کروایا۔ روئی سے بننے والا کاغذ مسلمانوں کی ایجاد ہے (دیکھیے حاشیہ نمبر ١٣)، اس سے پہلے دنیا میں ریشمی کپڑے کے خول سے کاغذ بنایا جاتا تھا جو نہ صرف مہنگا تھا بلکہ صرف چند ممالک ہی ایسے تھے جہاں ریشم کا کیڑا پرورش پا سکتا تھا۔ قرونِ وسطیٰ میں رائج چمڑے پر لکھنے کا سلسلہ بھی اس قدر مہنگا اور کم یاب تھا کہ اس دور کے پادریوں نے مذہبی رسائل لکھنے کے لیے قدیم یونانی کتب کے حروف چھیل کر ان کا چمڑا استعمال کرنا شروع کر دیا تھا جس سے یونانیوں کی بہت سی عقلی اور فلسفیانہ تصنیفات تلف ہوگئیں۔ مسلمانوں نے جب ۷۰۴ھ میں چین کے مغربی علاقے سنکیانگ کو فتح کیا تو اس وقت چین کے قیدی سپاہیوں کی مدد سے سمرقند میں کاغذ بنانے کے کارخانے قائم کیے۔ پھر بغداد، دمشق اور مصر وغیرہ میں یہ کارخانے قائم ہوئے۔ وہاں سے ہوتے ہوئے کچھ فیکٹریاں طرابلس اور مراکش میں بھی قائم ہوئیں اور یہیں سے یہ صنعت اندلس میں داخل ہوئی۔ اس بات کی گواہی مشہور مستشرق منٹگمری واٹ نے بھی دی ہے کہ یورپ میں اسپین سب سے پہلا ملک ہے جہاں کاغذ بنانے کا کام شروع ہوا۔[١٣] اندلس میں شاطبہ (Xatiu) کے علاوہ قرطبہ (Cordoba)، غرناطہ (Granada)، قسطلہ اور بلنسیہ (Valencia) میں بھی کاغذ سازی کے بڑے کارخانے موجود تھے۔

ھ۔ طلبہ کے لیے دارالاقامہ (ہاسٹل)

مسجد کے ساتھ کثیر تعداد میں شرقاً غرباً اور جنوباً شمالاً حجرے اب بھی موجود ہیں جنہیں بھلے وقتوں میں دارالاقامہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ابن مقری کے قول کے مطابق خلیفہ المنتصر باللہ نے صرف ان مکانات کی توسیع پر ایک لاکھ انسٹھ ہزار سرخ دینار خرچ کیے تھے۔(۱۴)

و۔ نظام الاوقات کے لیے گھڑیاں

کاموں کو اپنے اوقات میں کرنا اسلام کی اہم تعلیمات میں سے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں نمازیں اپنے وقت پر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تعلیم و تعلم میں بھی وقت کی پابندی اور دن رات کے اوقات کی صحیح تقسیم بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اندلس میں مسلمانوں نے ٹھیک وقت دینے والی مکینیکل گھڑیاں متعارف کروائیں جو اس سے پہلے شام میں استعمال کی جاتی تھیں۔ یہاں اس پر مزید ترقی یہ ہوئی کہ ہاتھ پر باندھنے والی گھڑیاں بھی بنائی گئیں جنہیں منتقلة کہا جاتا تھا۔ ان گھڑیوں کی مدد سے منٹوں کے وقت کا صحیح تعین کیا جا سکتا تھا۔ ہوائی جہاز کے موجد عباس بن فرناس نے بھی ایک نہایت عمدہ گھڑی بنائی تھی جس کی کارکردگی بے مثل تھی۔

ز۔ خطاطی اور روشنائی

چوں کہ اس زمانے میں پریس ایجاد نہیں ہوا تھا اور کتابیں لکھنے اور ان کی نشرو اشاعت کا سارا دارومدار قلمی کتابت پر تھا، اس بنا پر خطاطی مسلمانوں کا ہر دلعزیز فن تھا۔ بہترین خطاطی کے لیے معیاری روشنائی ایجاد کی گئی جو مختلف رنگوں میں مہیا تھی اور سالہا سال اس کا اثر ختم نہیں ہوتا تھا۔ مصوری میں استعمال ہونے والے رنگوں کے لیے بھی ایک دیرپا قسم کی وارنش ایجاد کی گئی۔

جب مسجد قرطبہ اپنے دور کی عظیم ترین یونیورسٹی کا کردار ادا کررہی تھی اسی زمانے میں براعظم یورپ کے تمام صلیبی ممالک جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں گم تھے۔ اگر کوئی لکھنا پڑھنا جانتا بھی تھا تو وہ کچھ پادری ہی تھے جو فقط اپنے مذہبی علوم سے آشنا تھے۔ سائنسی و عقلی علوم کا تصور بھی اس دور کے یورپ میں مفقود تھا بلکہ کلیسا کی طرف سے عقلی علوم پر کفر کا فتویٰ صادر کیا گیا تھا۔ دوسری طرف اسلامی تعلیمات کے طفیل اندلس کے علمی عروج کا یہ عالم تھا کہ عبد الرحمٰن سوم کے جانشین حکم ثانی کے دورِ خلافت (۹۶۱-۹۷۶ھ) میں قرطبہ ایک عالمی علمی منڈی کی حیثیت سے دنیا بھر میں شہرت اختیار کر گیا تھا۔ وہاں کتب فروشوں کی دکانیں بیس ہزار تک جا پہنچی تھیں۔ کتب فروش نہ صرف کتابیں فروخت

کرتے تھے بلکہ خاص اہتمام کے ساتھ وسیع پیمانے پر ماہر خطاطوں سے کتابت کرواکر ان کی نقول بھی تیار کرواتے تھے۔ کتابت میں عورتیں بھی مردوں سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ شہر کے صرف ایک مشرقی محلے میں ۱۷۰ کے قریب خواتین قرآنِ مجید کو خطِ کوفی میں لکھنے میں خاص شہرت رکھتی تھیں۔ (۱۵)

تعلیم کی بنا پر ترقی

علوم و فنون کی ترقی کی بنا پر مسلمانوں نے صنعت و ٹیکنالوجی کو بہت ترقی دی۔ وسیع پیمانے پر سستی کاغذ سازی (Paper Industry)، پارچہ سازی (Textile Engineering)۔ گھڑی سازی (Watch Making)، حرکی توانائی (Kinetic Energy)، کیمیکل ٹیکنالوجی (Chemical Technology)، چمڑے کی مصنوعات، اسلحہ سازی (Ordnance)، ہوائی جہاز (Aeroplane) کی پہلی کامیاب کوشش اور سول انجنیئر نگ (Civil Engineering) وغیرہ یورپ کے لیے مسلمانوں کے عظیم تحفے ہیں۔

بنو امیہ کے بعد طوائف الملوکی اور مرابطین کے دور میں علمی ارتقاء کسی حد تک کمزور پڑ گیا مگر موحدین کا دور شروع ہوتے ہی اس میدان میں تیزی لوٹ آئی۔ عہد موحدین میں صرف قرطبہ میں ثانوی و اعلیٰ تعلیم کے ۸۰۰ سے زائد تعلیمی ادارے قائم تھے جہاں ۱۰،۰۰۰ سے زائد طلبہ مذہبی و سائنسی دونوں طرح کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ (۱۶)

ح۔ فن سیاحت

یوں تو فن سیاحت کا تعلیم سے براہ راست تعلق معلوم نہیں ہوتا مگر دیکھا جائے تو سیاحت فطری مقامات کے مطالعے کا بہترین ذریعہ ہے۔ دور جدید میں طلبہ کے مطالعاتی دورے اسی مقصد کے لیے ہوتے ہیں۔ قرطبہ میں علم وتحقیق کے ذوق کے ساتھ ساتھ تجسس اور تحقیق کی خاطر سیاحت کو بھی بہت ترقی ملی جو کہ بذاتِ خود علم کے لیے ایک بہت معاون ہے۔ سیاحت کے میدان میں مسلم سیاحوں کے کارنامے بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر علی بن منتصر الکتانی نے مستقل کتاب اس بات پر لکھی ہے کہ کرسٹوفر کولمبس سے پہلے مسلمان سیاح سرزمین امریکہ کو دریافت کر چکے تھے۔ کتاب طویل ہے اور اس میں بحر ظلمات کے پار عربی بولنے والے لوگ اور عرب ممالک کے نقدی کے سکوں کا وجود ثابت کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ مسلمانوں کے ہاں بحرِ ظلمات محیط اطلسی کو کہا جاتا تھا۔ یہاں اس کتاب میں سے صرف تاریخ مسعودی ''مروج الذہب و معادن الجوہر'' کے حوالے سے یہ بات نقل کرنا مقصود ہے کہ قرطبہ کا ایک سیاح جس کا نام خشخاش بن سعید بن اسود تھا، وہ اس وقت کی

اندلسی اسلامی خلافت کا امیر البحر بھی تھا۔ اس نے اپنے ساتھ ایک جماعت کو لے کر بحرِ ظلمات (Atlantic Ocean) کو عبور کیا اور وہاں سے بہت سے خزانے لایا۔ مسعودی نے خشخاش بن سعید کی وہاں سے واپسی ۸۸۹ء میں لکھی ہے۔ جس کی بنا پر مسعودی نے دنیا کے نقشے میں بحرظلمات کے بعد بھی ارض مجہولہ کا ذکر کیا ہے جب کہ اہل یورپ اس سے کافی عرصے بعد تک اپنے نقشوں میں بحرظلمات کے بعد کسی زمین کا تذکرہ نہیں کرتے رہے۔(۱۷)

پھر اتفاق یہ کہ کرسٹوفر کولمبس نے بھی اپنا سفر قرطبہ سے ہی کیا اور واپسی پر اسی طرح کے خزانے لایا جس طرح کہ خشخاش لایا تھا۔ شریف ادریسی نے بھی اپنی کتاب الممالک والمسالک میں الشباب المغرورین کے نام سے کچھ نوجوانوں کا واقعہ ذکر کیا ہے جنہوں نے بحرظلمات کو عبور کیا اور واپسی پر وہاں عربی بولنے والے لوگوں اور اسلامی آثار کے بارے میں تذکرہ کیا۔ مذکورہ بالا ویب سائٹ میں کچھ غیرمسلم محققین کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں جنہوں نے مسعودی اور ادریسی کے اس دعوے کی تصدیق کی ہے۔ اس لحاظ سے اسلامی اور غیر اسلامی دونوں ذرائع سے امریکہ کی سرزمین کا انکشاف قرطبہ کے حصے میں آتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ خشخاش بن سعید نے اسے **الارض المجهولة** کہا جب کہ کرسٹوفر کولمبس نے وہاں پہنچ کر یہ سمجھا کہ وہ ہندوستان پہنچ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی تک یورپی کتابوں اور نقشوں میں اسے مغربی ہند "L'Inde Occidental. West India" ہی کہا جاتا ہے۔(۱۸)

ط۔ بلا تفریقِ مذہب تعلیم کے مواقع

جیمز بیرک اپنی کتاب The Day the Universe Changed میں لکھتا ہے: جب گرمی کی شدت کچھ کم ہوجاتی تو مختلف علاقوں کے عیسائی قرطبہ کی طرف اپنے نمائندے روانہ کرتے جو وہاں سے دانتوں کے ڈاکٹروں، بالوں کی بیماریوں کے ماہرین، جراحوں (Surgeons)، سول انجینئروں اور موسیقی کاروں کو معاوضے پر لے کر آتے۔(۱۹)

اورایک مقام پر مصنف لکھتا ہے کہ اس دور میں ہسپانیہ کی طرف طالب علم مسلسل طوفان کی صورت میں آتے جن میں سے بعض علم حاصل کرنے کے بعد وہیں رک جاتے، کچھ لوگ اپنی دلچسپی کے موضوع کی کتابوں کے ترجمے کرنے بیٹھ جاتے اور اس سے فارغ ہوکر اپنے شمالی ممالک کی طرف لوٹ جاتے۔ وہ سب اندلس کی تہذیب و ثقافت کو دیکھ کر حیران رہ جاتے تھے۔(۲۰)

قرطبہ اور اشبیلیہ کے تعلیمی اداروں میں تعلیم پانے والے غیرمسلم طلباء میں سے مشہور زمانہ ''پوپ گیربٹ فرانسیسی'' بھی تھا جو قرطبہ اور اشبیلیہ کے مدارس میں عربی اور اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے

بعد پاپائے روم(۹۹۹ء تا ۱۰۰۳ء) مقرر ہوا اور بعد ازاں سلفسٹر دوئم کا لقب پایا۔ اس نے بہت سی عربی کتب کے تراجم لاطینی زبان میں کیے اور یورپ کو مشرقی علوم سے متعارف کروایا۔[۲۱]

معروف مستشرق منٹگمری واٹ کہتا ہے:

> Already when the fortunes of the Muslim were in the ascendant, their learning had attracted scholars of all faiths. Spanish Jews in particular were--including the great Maimonides (1135-1204)-- sat at the feet of Arabic speaking teachers and wrote their books in Arabic.[۲۲]
>
> جب مسلمانوں کی قسمت اپنے عروج پر تھی تو ان کی تعلیمات نے تمام مذاہب کے ماننے والے طلباء کو اپنی جانب متوجہ کرلیا تھا۔ اسپین کے یہودی بطورِ خاص عرب فکر سے متاثر ہوئے اور عظیم میمونائیڈز (۱۲۰۴ء - ۱۳۰۵ء)سمیت ان میں سے بیشتر نے عربی بولنے والے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور عربی زبان میں کتابیں لکھیں۔

یہود کی علمی سرگرمیوں کا مرکز

اندلس کے حاکم الناصر لدین اللہ اور اس کے بیٹے حکم کے دورمیں حکومتی سرپرستی میں بہت سے علاقوں سے یہودی علماء اور ادیب قرطبہ چلے آئے تھے اور ان کی کوششوں سے قرطبہ کا تلمودی مکتب قائم ہوا تھا اور اس کے بعد یہی مکتب یہودیوں کے لیےعلم اور دعوت وتحقیق کا مرکز قرار پایا۔ اس زمانے میں قرطبہ کے یہودی بھی عربی لباس پہنتے تھے اور عرب اخلاق اور رسم و رواج اختیار کرتے تھے اور اس پر مزید یہ کہ وہ معاشرے میں مال دار اور صاحب ثروت طبقے کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔[۲۳]

سر انتھونی ناٹنگ اپنی کتاب The Arabs: History and Culture میں قرطبہ کی ترقی کو دیکھ کر حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے وہاں کے تعلیمی معیار کے بارے میں کہتاہے کہ وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے یورپ، افریقہ اور ایشیاء سے لوگ آیا کرتے تھے۔ لکھائی پڑھائی اس قدر عام تھی کہ مشہور مؤرخ ڈوزی کہتا ہے کہ قرطبہ کا ہر فرد ہی تقریباً لکھنا پڑھنا جانتا تھا جب کہ یورپ میں اس وقت تک تعلیم مذہبی لوگوں تک محدود تھی، ان کے علاوہ چند ہی لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔[۲۴]

امریکی تاریخ دان وکٹر رابنسن اپنی کتاب قصۂ طب میں کہتا ہے: یورپ سورج غروب ہو جانے کے بعد اندھیرے میں ڈوب جاتا تھا جب کہ قرطبہ راستوں پر لگے چراغوں سے روشن رہتا تھا۔ یورپ

میں کیڑوں پتنگوں کا بسیرا رہتا تھا جب کہ اہلِ قرطبہ صفائی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ یورپ کیچڑ سے اٹا رہتا تھا جب کہ قرطبہ کی سڑکیں پختہ تھیں۔ یورپ کی چھتیں دھوئیں کی چمنیوں سے بھری رہتی تھیں جب کہ قرطبہ کے محلات عربی فن تزئین سے آراستہ تھے۔ یورپ کے امراء بھی اپنے نام تک لکھنا نہ جانتے تھے جب کہ عرب قرطبہ کے بچے بھی سکول جاتے تھے۔ یورپ کے راہب صرف کلیسا کی کتابیں پڑھ سکتے تھے جب کہ قرطبہ کے اساتذہ نے ایسا کتب خانہ تیار کیا تھا جو اپنی ضخامت میں اسکندریہ کے عظیم کتب خانے کا مقابلہ کرتا تھا۔(۲۵)

معروف ہندو لیڈر آنجہانی جواہر لال نہرو نے لکھا ہے کہ عرب علمِ جدید کے موجد ہیں اور اس سلسلے میں بغداد کو تمام یورپی شہروں پر فوقیت حاصل ہے سوائے قرطبہ کے جو کہ عرب ہسپانیہ یعنی اندلس کا دارالحکومت تھا۔ جب ہم مغرب کے ہاں گلیلیو، کپلر، کوپرنیق اور نیوٹن کا ذکر کرنا چاہیں تو اس کے لیے یہ ماننا ضروری ہے کہ اگر ابن الہیثم، خازن، کندی، ابن سینا، خوارزمی اور البیرونی نہ ہوتے تو یہ مغربی محققین کبھی وجود میں نہ آتے۔(۲٦)

مسجد قرطبہ کے معمولات کی کچھ یادیں(۲۷)

مسجد قرطبہ میں قرآن مجید کا ایک قدیم نسخہ رکھا تھا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے تیار کیے ہوئے نسخوں میں سے ایک ہے۔ یہ نسخہ ۵۵۲ھ میں عبدالمؤمن بادشاہ نے قرطبہ سے مراکش منتقل کرلیا اور سندس سے اس کا غلاف تیار کیا اور اس پر سونے چاندی کی کڑھائی کروائی اور کئی سارے قیمتی پتھر لگوائے اور رحل کے طور پر ایک بڑی کرسی بنوائی اور پھر ان تمام چیزوں پر ایک صندوق بنوا دیا تاکہ انہیں محفوظ رکھا جا سکے۔(۲۸)

مسجد قرطبہ میں یہ معمول ہوا کرتا تھا کہ اکثر نمازی صبح کی نماز کے بعد بیٹھ کر کچھ دیر کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔(۲۹)

ابن رشدؒ کہتے ہیں کہ کچھ عرصے تک مسجد قرطبہ میں مؤذن اذان دینے کے بعد الگ سے حی علی الصلوٰۃ کی آوازیں لگاتا تھا مگر علماء نے اسے بدعت قرار دیا تو کچھ عرصے بعد یہ عمل ترک کر دیا گیا۔(۳۰)

جامع مسجد قرطبہ میں بہت عرصہ تک روایتِ ورش کے مطابق ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ قرأت کی جاتی تھی، مگر بعد میں قراءت حفص کا رواج ہوگیا۔(۳۱)

اباضی مفسر اطفیش نے ارشادِ باری تعالیٰ:﴿فِیُ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ أَنۡ تُرۡفَعَ......﴾ [النور۲۴:۳٦] کے تحت جامع قرطبہ کے نقش و نگار پر تنقید کی ہے اور لکھا ہے کہ مسجد پر نقش و نگار میں مبالغہ نہیں ہونا چاہیے اور مسجدوں کو جو بلند کرنے کا حکم ہے اس میں یہ نقش و نگار شامل نہیں۔ جامع قرطبہ میں جو سونے کا نقش و نگار ہے اور جس کے ساتھ تمام ستونوں پر قرآنی آیات لکھی گئی ہیں وہ سب اسراف میں آتا ہے اور یہ ستون اعلیٰ قسم کے سنگ مرمر سے بنے ہیں اور ان کی تعداد ۹۰۰ کے قریب ہے۔(۳۲)

مسجد قرطبہ کی درد بھری یادوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شیخ محمد بن احمد بن محمد بن احمد التجیبی الاشبیلی القرطبی(٦۳۸ھ بمطابق ۱۲۴۱ء - ۷۱۷ھ بمطابق ۱۳۱۸ء) المعروف ابن ابی الولید، مالکیہ کے کبار فقہاء اور حافظ ذہبی کے شیوخ میں سے تھے۔جب مسجد قرطبہ پر عیسائی قبضہ ہوا تو ان کے دادا شیخ محمد بن احمد تجیبی المعروف ابن الحاج مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور سجدے کی حالت میں انہیں دشمن نے شہید کر دیا تھا۔(۳۳)

بہت سے طلبہ کو شاید یہ بات معلوم نہیں علامۂ زمان ابو علی القالی کی کتاب الأمالی کہاں لکھی گئی۔علامہ ابو علی القالی ۳۳۰ھ میں عبد الرحمٰن الناصر کے زمانے میں قرطبہ تشریف لائے تھے انہیں وہاں تدریس کے لیے درخواست کی گئی تھی۔ یہ امالی انہی نوٹس پر مشتمل ہے جو علامہ ابو علی کے اندلسی طلبہ نے مسجد قرطبہ میں ان کے اسباق کے دوران تیار کیے تھے۔ ایسے میں مسجد کی رونق کیسی ہوتی ہو گی۔(۳۴)

مسجد قرطبہ میں صرف تعلیمی مراکز ہی قائم نہیں تھے بلکہ آج کے دور کی عدالت کا ایک کامل نمونہ بھی یہی مسجد تھی۔ جس میں باقاعدہ قاضی کی مجلس ہوتی تھی اور لوگوں کے مقدمات کے فیصلے کیے جاتے تھے۔ اس قاضی کو مسجد قرطبہ کا قاضی کہا جاتا تھا۔ مسجد قرطبہ کا قاضی ہی قاضی الجماعۃ کہلاتا تھا۔ یہ عہدہ آج کل کے قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس کے برابر تھا۔ اس منصب پر فائز لوگ علمی طور پر مضبوط اور جرأت مند ہوا کرتے تھے۔ احکام شریعت کی پابندی کیا کرتے تھے اور ضرورت پڑنے پر خلیفہ کے سامنے بھی جرأت کے ساتھ احکام شریعت کا دفاع کرتے تھے۔ اس وقت کے خلفاء بھی شریعت کی پابندی کا اہتمام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ حکم ثانی رمضان میں دن کے وقت اپنی کسی ملکہ کے ہاں چلا گیا اور ضبط نفس نہ رکھ سکا تو بعد میں قرطبہ کے فقہاء سے اس روزے کا کفارہ پوچھا، فقہاء کی اکثریت نے مساکین کو کھانا کھلانے کا فتویٰ دیا مگر فقیہ اسحاق بن ابراہیم خاموش رہے۔ خلیفہ نے ان کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں تو دو ماہ کے لگا تار روزوں کا فتویٰ دیتا ہوں۔ دیگر فقہاء نے کہا کہ امام مالکؒ کے مذہب میں کھانا کھلانے والے قول پر فتویٰ ہے۔

فقیہ اسحاق بولے کہ تم لوگ امیر المؤمنین کی دلجوئی کے لیے یہ فتویٰ دیتے ہو، امام مالکؒ کا فتویٰ ان لوگوں کے لیے ہے جن کے پاس اپنا مال ہو اور امیرالمؤمنین کے پاس اپنا کوئی مال نہیں بلکہ ان کے پاس موجود مال مسلمانوں کے بیت المال کا ہے۔ اس پر خلیفہ بہت خوش ہوا اور فقیہ اسحاق بن ابراہیم کے فتوے پر عمل کیا۔(٣٥)

قاضی کے معاون عملے میں کاتب ہوتے تھے جنہیں آج کے دور میں Reader کہا جا سکتا ہے۔ وہیں لوگوں کی مدد کے لیے وکیل، شرطہ (پولیس) اور جلاد بھی ہوتے تھے۔ لوگ اپنے فیصلوں کے لیے مسجد قرطبہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ عام طور پر فیصلوں پر عمل درآمد نماز جمعہ کے بعد کروایا جاتا تھا۔

خلیفہ اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتا تھا۔ اس کے ائمہ اور خطباء کے انتخاب میں ان کے علمی مقام اور احکام شریعہ میں مہارت کے لحاظ سے بہت باریک بینی سے کام لیا جاتا تھا۔ اور مسجد کے امام یا خطیب کے تقرر کا حکم نامہ خود خلیفہ کے دستخطوں سے جاری ہوتا تھا۔ اس منصب کو منصب صاحب الصلوٰۃ کہا جاتا تھا۔ اکثر اوقات قاضی الجماعۃ (چیف جسٹس) کو اس منصب کی بھی ذمہ داری دی جاتی تھی۔

خلفاء کی بیعت بھی جامع قرطبہ میں کی جاتی تھی جس میں اساطین سلطنت حاضر ہوتے تھے اور یہ بیعت کئی دنوں تک جاری رہتی تھی۔ حکومتی احکام اور مراسلات عوام کو یہیں پڑھ کر سنائے جاتے تھے۔ مسجد قرطبہ کے دروازے کے سامنے سنجیدہ شعری مقابلے ہوا کرتے تھے۔

دینی مناسبات کا اہتمام

مسجد قرطبہ میں دینی مناسبات کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔ رمضان کے آخری عشرے میں قیام اللیل کی خاص رونقیں ہوتی تھی۔ مشہور فقیہ اور محقق ابو محمد ابراہیم بن صاحب الصلوٰۃ نے مسجد قرطبہ میں لیلۃ القدر کے موقع کا عجیب وصف بیان کیا ہے جو اگرچہ کچھ طویل ہے لیکن دلچسپی کے طور پر یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:(٣٦)

> **عمّر الله سبحانه بشمول السعادة رسمک، ووفر من جزيل الكرامة قسمک، ولا برحت سحائب الإنعام تهمي عليک ثرّة، وأنامل الأيام تهدي إليک كل مسرّة، لئن كان أعزک الله طريق الوداد بيننا عامراً، وسبيل الإتحاد غامراً، لوجب أن نفض ختمه، و نرفض كتمه، لا سيّما فيما يدرّ أخلاف الفضائل، ويهز أعطاف الشمائل.**
>
> **وإني شخصت إلى حضرة قرطبة، حرسها الله تعالىٰ، منشرحَ الصدر، حضور ليلة القدر،**

والجامع، قدس الله تعالى بقعته ومكانه، وثبّت أثاثه وأركانه، قد كُسي ببردة الإزدهاء، وجُلي في معرض البهاء، كأن شرفاته فلول في سنان، أو أشرٌ في أسنان، وكأنما ضربت على سمائه كلل، أو خلعت على أرجائه حلل، وكأن الشمس قد خلّفت فيه ضياء ها، ونسجت على أقطاره أفياء ها، فترى نهاراً، قد أحدق به ليل، كما أحدق بربوةٍ سيل، ليل دامس، ونهار شامس، وللذّبال تألّق كضنضنة الحيات، أو إشارة السبّابات في التحيّات، قد أترعت من السليط كؤوسها، ووصلت بمحاجن الحديد رؤوسها، ونيطت بسلاسل كالجذوع القائمة، أو كالثعابين العائمة، عصبت بها تفاح من الصّفر، كاللّفّاح الصّفر: بولغ في صقلها وجلائها، حتى بهرت بحسنها ولألائها، كأنّها جليت باللهب، وأشربت ماء الذهب، إن سامتّها طولاً رأيت منها سبائک عسجد، أوقلائد زبرجد، وإن جئتها. عرضاً رأيت منها أفلاكاً ولكنّها غير دائرة، ونجوماً ولكنّها ليست بسائرة، تتعلّق تعلّق القرط من الذّفرى، وتبسط شعاعها بسط الأديم حين يفرى، والشمع قد رفعت على المنار رفع البنود، وعرضت عليها عرض الجنود، ليجتلي طلاقة روائها القريب والبعيد، ويستوي في هداية ضيائها الشقي والسعيد، وقد قوبل منها مبيضّ بمحمرّ، وعروض مخضرّ. تضحک ببكائها وتبكي بضحكها، وتهلک بحياتها وتحيي بهلكها، والطيب تفغم أفواحه، وتتنسّم أرواحه، وقتار الألنجوج والند، يسترجع من روح الحياة ماندّ، وكلّما تصاعد وهو محاصر، أطال من العمر ما كان تقاصر، في صفوف مجامر، ككعوب مقامر، وظهور القباب مؤللة، وبطونها مهللة، كأنها تيجان، رصّع فيها ياقوت ومرجان، قد قوس محرابها أحكم تقويس، ووشم مثل ريش الطواويس، حتى كأنّه بالمجرّة مقرطق، وبقوس قزح ممنطق، وكأن اللازورد حول وشومه، وبين رسومه، نتق من قوادم الحمام، أو كسف من ظلل الغمام، والناس أخياف في دواعيهم، وأوزاع في أعراضهم ومراميهم، بين ركّع وسجّد، وأيقاظ وهجّد، ومزدحم على الرقاب يتخطاها، ومقتحم على الظهور يتمطّاها، كأنهم ردُّ خلال قطر، أو حروف في عرض سطر، حتى إذا قرعت أسماعهم روعة التسليم، تبادروا بالتكليم، وتجاذبو بالأثواب، تساقوا بالأكواب، كأنهم حضور طال عليهم غياب، أو سفر أتيح لهم إياب، وصفيّک مع إخوان صدق، تنسکب العلوم بينهم اليعفور،كأن إقليدس قد قسم بيننا مساحته بالموازين، وارتبطنا فيه ارتباط البيادق بالفرازين، حتى صار عقدنا لا

يحلّ، وحدّنا لا يفلّ، بحيث نسمع سور التنزيل كيف تتلى، و نتطّلع صور التفصيل كيف تجلى، والقومة حوالينا يجهدون في دفع الضرر، ويعمدون إلى قرع العمد بالدّرر، فإذا سمع بها الصبيان قد طبّقت الخافقين، وسرت نحوهم سرى القين، توهموا أنها إلى أعطافهم واصلة، وفي أقحافهم حاصلة، ففروا بين الأساطين، كما تفرّ من النجوم الشياطين، كأنما ضربهم أبو جهم بعصاه، أو حصبهم عمير بن ضابئ بحصاه، فأكرم بها مساعٍ تشوق إلى جنّة الخلد، ويهون في السعي إليها إنفاق الطوارف والتّلد، تعظيماً لشعائر الله، تنبيهاً لكل ساهٍ ولاه،أدام الله عزّك، منظراً منها أبهى، ولا مخبراً أشهى، وإذا لم تتأمّله عياناً، تتخيّله بياناً، وإن كان حظ منطقي من الكلام، حظ السفيح من الأزلام، لكن ما بيننا من مودة أكدنا وسائلها، وأذمّة تقلدنا حمائلها، يوجب قبول إتحافي سميناً وغثناً، ولبس إلطافي جديداً ورثّاً، لا زلت لزناد النبل مورياً، وإلى آماد الفضل مجرياً، والتحيّة العقبة الريّا، المشرقة المحيّا، عليك ما طلع قمر، وأينع ثمر، ورحمة الله تعالیٰ وبركاته، انتهى.

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر سو خوشیوں سے آپ کے گھر کو آباد رکھے، اور شان وشوکت سے آپ کا اقبال بلند رکھے، نعمتوں کی موسلا دھار بارش ہمیشہ آپ پر برستی رہے، اور زمانے کے ہاتھ آپ کو ہر قسم کی خوشیوں کے تحفے پیش کرتے رہیں۔ اللہ آپ کی قوت سلامت رکھے۔ اگر ہمارے درمیان محبت کی راہیں آباد ہیں اور باہمی تعلقات محفوظ ہیں تو ضروری ہے کہ ہم خاموشی کی مہر کو توڑ دیں اور اسے چھپا کر رکھنا چھوڑ دیں، خصوصاً ایسے معاملات میں جن میں عزت بڑھتی ہو اور حسن اخلاق کے جذبات متحرک ہوتے ہوں۔

میں لیلۃ القدر کے موقع پر پورے شرح صدر سے مسجد قرطبہ حاضر ہوا۔ اللہ تعالیٰ قرطبہ کو اپنی حفاظت سے نوازے رکھے اور جامع مسجد کی سرزمین اور اس کے مقام کا تقدس قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی بنیادوں کو مضبوط اور در و دیوار کو محفوظ رکھے۔ اس رات تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مسجد کو زیب و زینت کی چادر پہنا دی گئی ہو، وہ رونق میں بڑی ہی نمایاں نظر آ رہی تھی۔ اس کے کنگرے یوں معلوم ہوتے تھے جیسے نیزے کے بھالوں میں دندانے پڑے ہوں یا خوبصورت فاصلوں والے چمک دار دانت ہوں۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے کھلے آسمان میں مخمل کے پردے لٹکا دیے گئے ہوں یا اس کے کناروں کو زیورات اور خلعتیں پہنا دی گئی ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے سورج اپنی روشنی یہیں چھوڑ گیا ہو اور

اس کے اطراف پر اپنے سائے کے جال بُن گیا ہو۔ مسجد ایسے دن کا منظر پیش کر رہی تھی جس کو آس پاس سے رات نے گھیرا ڈال رکھا ہو، جیسے اونچے ٹیلے کو سیلاب کا پانی گھیرے میں لے لیتا ہے۔ بیک وقت وہاں تاریک رات بھی تھی اور روشن دن بھی۔ مسجد میں لٹکے فانوس چمک دمک کے ساتھ ایسے شعاعیں مار رہے تھے جیسے بہت سے سانپ زبانیں ہلا رہے ہوں یا التحیات میں بیٹھے نمازی شہادت کی انگلیاں ہلا رہے ہوں، چراغوں کے پیالے زیتون کے تیل سے لبریز تھے اور لوہے کی سلاخوں سے ان کے سرے ملے ہوئے تھے، پھر انہیں زنجیروں سے ایسے ملا دیا گیا تھا جیسے پالتو مویشیوں کے کھڑے ہوئے بچوں کو زنجیروں میں پرو دیا گیا ہو یا اژدھوں کا کوئی جُھنڈ چلا جا رہا ہو۔ ان کے اوپر دائرے کی شکل میں زرد رنگ کے سیب جوڑ دیے گئے تھے جو جلتی ہوئی آگ کی روشنی میں سونے کی چمک دمک کا منظر پیش کررہے تھے: انہیں قلعی کرنے اور چمکانے پر خاص محنت کی گئی تھی، جس سے ان کا حسن وجمال اور چمک دمک اور بھی نمایاں ہو گیا تھا، جیسے انہیں آگ کے شعلے سے گرما کر ان پر سونے کا پانی چڑھادیا گیا ہو۔ ان کا منظر یوں تھا کہ اگر ان کی لمبائی کو دیکھو تو سونے اور جواہرات کی لڑیاں نظر آئیں یا زبرجد کے ہار دکھائی دیں اور اگر چوڑائی کی طرف آؤ تو آسمان نظر آئیں جس پر چمکدار ستارے ٹھہر چکے ہوں۔ وہ یوں لٹکتے نظر آتے جیسے بالیاں کانوں کے ساتھ لٹک رہی ہوں اور ان کی روشنی کی لہریں چاشت کے وقت سورج سے پھیلنے والی شعاؤں کا منظر پیش کررہی ہوں۔ مسجد کے مینار پر شمعیں یوں بلند کرکے لگائی گئی تھیں جیسے بڑے بڑے جھنڈے لہرا رہے ہوں، اور اتنی کثیر تعداد میں تھیں جیسے کوئی لشکر پھیلا دیا گیا ہو تاکہ اس کی رونقیں اور شان و شوکت دور نزدیک والے سب دیکھ لیں، اور اس کی روشنیوں سے راہ پانے میں خوش بخت اور بدبخت سب کو برابر حصہ ملے۔ یہ شمعیں اس انداز سے سجائی گئی تھیں کہ سفید شمعوں کے سامنے سرخ تھیں اور چوڑائی میں سبز کے سامنے زرد۔ ایک شمع چمکتی تو دوسری کے آنسو گرتے اور اس کے آنسو گرتے تو دوسری چمکنے لگتی۔ دوسری طرف ایک شمع بجھ جاتی تو دوسری جلنے لگتی اور پہلی جلتی تو دوسری بجھ جاتی۔ خوشبو کا یہ عالم تھا کہ اس کے حُلے اٹھ رہے تھے اور لہریں پھوٹ رہی تھیں، النجوج اور ند کی خوشبودار بھاپ نکلی ہوئی روحوں کو واپس لاکر زندگی بانٹ رہی تھی اور جوں جوں یہ خوشبودار بخور ایک محاصرے کی شکل میں بلند ہوتے چلے جاتے تو جو زندگیاں مختصر ہوکر ان سے دَم نکلنے

کو تھے ان کی عمروں کی جوانیاں لوٹ آتیں۔ خوشبودار عود کی یہ دھونی دانیاں یوں قطار اندر قطار رکھی تھیں جیسے جوئے کے پانسے ترتیب سے سجا دیے گئے ہوں۔ مسجد کے گنبد باہر سے ہیروں کی طرح نظر آ رہے تھے اور اندر سے چمکتے چاندوں کا منظر پیش کررہے تھے، ایسے معلوم ہوتا تھا کہ بہت سے تاج ہوں جن میں یاقوت اور مرجان جڑ دیے گئے ہوں۔ مسجد کا محراب قوس کی شکل میں نظر آرہا تھا، اس کی قوس میں صانع نے اپنی مہارت کا خوب کمال دکھایا تھا۔ اس قوس کی شکل میں مور کے پروں کی طرح رنگ بھرے گئے تھے، محراب یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کہکشاں کا لباس پہنا دیا گیا ہو، اور قوس قزح سے اس کا کمربند بنایا گیا ہو۔ اس کی رنگ برنگی چترکاری کے اردگرد اور اس کے نقش ونگار کے بیچ و بیچ بھرا ہوا لاجورد ایسے لگ رہا تھا جیسے کبوتروں کے سروں کے اکھڑے ہوئے بال بکھرے پڑے ہوں یا بادلوں کی چھاؤں کی ٹکڑیاں پھیلی ہوں۔

لوگ اپنی مختلف ضروریات کے تحت مختلف حالتوں میں تھے اور اپنے مقاصد کی بنا پر کئی قسموں میں بٹے ہوئے تھے: کوئی رکوع میں تھا کوئی سجدے میں، کوئی جاگ رہا تھا کوئی سو رہا تھا، کوئی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنے کی کوشش کررہا تھا تو کچھ لوگ بھیڑ کی وجہ سے ایک دوسرے کی کمر پر پاؤں رکھے کھڑے تھے جیسے گھوڑوں کی قطار میں فاصلے کے لیے لکڑیاں کھڑی کر دی گئی ہوں یا سیدھی سطر میں کہیں کہیں لمبے حروف آگئے ہوں۔ اس بھیڑ بھاڑ اور تنگ دامانی میں جب ان کے کانوں میں سلام کی خوشگوار آواز پڑتی تو وہ فوراً آپس میں باتیں کرنے لگتے اور کپڑے کھینچ کر ایک دوسرے کو متوجہ کرتے اور گلاس بھر بھر کر پانی پیتے، جیسے وہ عرصے تک دور رہنے کے بعد یہاں پہنچے ہوں یا لمبے سفر کے بعد انہیں واپسی کا موقع ملا ہو۔ اسی دوران گہرے دوست آپس میں علمی باتوں پر یوں گفتگو شروع کر دیتے جیسے تسلسل سے بارش ہورہی ہو، حالاں کہ جگہ اتنی تنگ تھی جیسے چڑیا کا گھونسلہ، یا اللہ معاف کرے جیسے ہرن کا ڈربہ۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے اقلیدس نے آکر ریاضی کے حساب سے یہ جگہ ہمارے درمیان تقسیم کی ہو اور ہم اس میں ایک دوسرے کے ساتھ یوں منسلک ہوکر حرکت کر رہے ہوں جیسے شطرنج کے مہروں میں پیادہ، ملکاؤں کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا ہے۔ حالت یہ تھی کہ نہ ہماری گرہ کھل سکتی تھی اور نہ ہماری دھار میں فرق آتا تھا۔ قرآن مجید کی تلاوت ہم مسلسل سن رہے تھے اور تفسیری بیانات سے مستفید ہورہے تھے۔ مجمعے کو قائم رکھنے والے ہمارے آس پاس کھڑے لوگوں کو تکلیف

سے بچانے کی پوری کوشش کررہے تھے، جب کبھی ضرورت پڑتی وہ اپنے کوڑوں کے ساتھ مسجد کے ستونوں کو کھٹکھٹاتے۔ جب بچوں کو محسوس ہوجاتا کہ کوڑے کھٹکھٹانے والوں کی آواز کہیں ان کے قریب آ پہنچی ہے اور لوہار کی ٹھوکر ان کی طرف چل پڑی ہے تو انہیں دھڑکا لگ جاتا کہ یہ ان کے کپڑوں کو چھونے ہی والی ہے اور ان کے سروں پر برسا ہی چاہتی ہے، تو وہ ستونوں کے درمیان یوں دوڑ لگادیتے جیسے ستاروں سے شیطان بھاگتے ہیں، ان کی حالت یہ ہوتی جیسے ابوجہم نے انہیں اپنی لاٹھی سے مار دیا ہو یا عمیر بن ضابی نے انہیں کنکری سے نشانہ بنایا ہو۔

مختصر یہ کہ کیا عظیم کوششیں ہیں جو جنت الخلد کا شوق پیدا کر دیتی ہیں اور اس ماحول میں پہنچنے کے لیے نئی اور پرانی سب پونجی خرچ کر دینا بھی آسان معلوم ہوتا ہے کہ یہاں شعائر اللہ کی تعظیم کا موقع ہے اور ہر بھولے بھٹکے اور غافل کے لیے تنبیہ کا سامان ہے۔ اللہ آپ کا اقبال بلند رکھے، اس سے حسین منظر ہم نے کبھی نہیں دیکھا اور اس سے زیادہ دلچسپ خبر ہم نے کبھی نہیں سنی۔ اگر آپ نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر نہیں دیکھا تو میرے بیان سے اس کا تخیل کرکے دیکھ لیں، اگرچہ کلام کے لحاظ سے میری گفتگو اسی طرح ہے جیسا کہ جوئے کے تیروں میں سفیح ہوتا ہے کہ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ہاں جو محبت ہمارے درمیان موجود تھی ہم نے اس کی مزید تاکید کے وسائل اختیار کیے ہیں اور جو ایک دوسرے کے بارے میں ہماری ذمہ داریاں تھیں ہم نے ان کو اٹھانے کا اقدام کیا ہے۔ اب آپ کے لیے بھی ضروری ہے کہ میرا یہ تحفہ جیسا بھلا برا ہے، قبول فرمائیں اور جن نئے پرانے جذبات کا میں نے اظہار کیا ہے انہیں اپنے دل میں جگہ دیں۔ خدا کرے آپ شرف اور وضع داری کے چقماق جلائے رکھیں اور آپ کے ہاں سے کرم وسخا کی نہریں جاری رہیں۔ ہمارا عمدہ خوشبوؤں اور درازیٔ عمر کی دعاؤں سے روشن سلام قبول کیجیے، جب تک چاند طلوع ہوتا رہے اور جب تک پھل پکتے رہیں، آپ سلامت رہیں اور اللہ کی رحمتیں اور برکات آپ پر ہوں۔(۳۷)

مسلم اور غیر مسلم محققین کا خراج تحسین

یہاں قرطبہ کے بارے میں موحدین کے عظیم خلیفہ سلطان یعقوب المنصور بن یوسف بن عبد المؤمن (۵۸۰-۵۹۵) کا اپنے ایک فوجی کمانڈر کے ساتھ مکالمے کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔ سلطان نے اپنے کمانڈر سے پوچھا: قرطبہ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ تو اس نے اہل اندلس کے

عام محاورے کے مطابق یوں جواب دیا: **جوفها شمام، و غربیها قمام، و قبلتها مدام، والجنة هی والسلام۔** (اس کا دامن پھولوں سے بھرا ہوا ہے اور اس کے مسافر کے لیے کھانا وافر ہے اور اس کے سامنے دریا بہتا ہے اور مختصر یہ کہ وہ ایک جنت ہے۔) ابوالفضل تیفاشی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مغرب کے بادشاہ یعقوب المنصور کے دربار میں فقیہ ابو الولید ابن رُشد اور رئیس ابوبکر ابن زہر کے درمیان مناظرہ ہوا تو ابن رُشد نے قرطبہ کی فضیلت کے بارے میں ابن زہر سے کہا: ''مجھے معلوم نہیں تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ اگر اشبیلیہ میں کوئی عالم وفات پاجاتا ہے تو اس کی کتابیں قرطبہ میں آکر بِک جاتی ہیں اور اگر قرطبہ میں کوئی گویا مرتا ہے تو اس کے حالات اشبیلیہ میں جاکر بِکتے ہیں اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ روئے زمین پر قرطبہ سب سے زیادہ کتابوں والا شہر ہے۔(۳۸)

ایک عرب شاعر نے مسجد کی بربادی کے بعد اس کے بارے میں اپنے تأثرات کا یوں اظہار کیا:

نزلتُ شَطَّکَ بعدَ البین ولهاناً...... فذقتُ فیک من التبریح ألواناً
وسرتُ فیک غریبا ضلَّ سامره...... داراً وشوقاً وأحباباً وإخواناً
فلا اللسان لسان العرب نعرفه...... ولا الزمان کما کُنَّا وما کانا
ولا الخمائل تشجینا بلابلها...... ولا النخیل سقاه الطَّلُّ یَلقانا
ولا المساجد یسعی في مآذنها...... مع العشیَّات صوت اللهُ رَیَّاناَ

جدائی کے بعد شوق کا مارا تیرے در پہ جو آیا ...... دکھ درد کی دُہائی میرا مقدر بن گئی
قدم جو تیرے حرم میں رکھا، اجنبیت لپٹ گئی...... نہ گھر اپنا، نہ غمخوار کوئی، شوق ملاقات درد سر بن گئی
نہ زباں اپنی عرب جو بولتے تھے .... نہ زماں وہ رہا کہ رُت ہی بدل گئی
نہ درختوں کے سائے کہ بلبل جن پہ چہکیں...... نہ کھجوروں کے ہجوم کہ بہاروں کی بدلی ہی ٹل گئی
اور مسجدیں کیا کریں کہ منارے بھی چُپ ہیں...... کہ سرِ شام جو بولتے تھے اللہ کی رحمت ہی مل گئی (۳۹)

بڑے بڑے ادباء، شعراء اور علماء نے ہر زمانے میں اس مسجد کی شان و شوکت پر قلم اٹھایا ہے مسلم مؤلفین کے شانہ بشانہ غیر مسلم مؤلفین نے بھی اسے داد تحسین دی ہے۔ ہالینڈ کے مستشرق ڈوزی، سید بو، گوستاف لوبون، کراتشکوویسکی اور گوئٹے وغیرہ نے اس کے اوصاف لکھے ہیں۔ ایک

انگریز مؤرخ نے اس مسجد کے بارے میں لکھا ہے:

"Whatever the human eye has witnessed this is the most charming of them all, and its craftsmanship and splendour are not to be found in any of the ancient or modern monuments." (۴۰)

یہ انسانی آنکھ میں سے گزرنے والے تمام مناظر میں سے سب سے زیادہ دلکش منظر ہے اور اس کی مہارت اورعظمت قدیم یا جدید عمارات میں کہیں نہیں ملتی۔

علمِ آثار کے مصنفین نے اس پر خوب لکھا ہے اگر صرف گُمبس مورینو اور لیوگولڈ بلباس کی تحریروں کو دیکھا جائے تو اس سے کئی جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔

مغربی مفکر روزینتھل(E.Rosenthal)بیان کرتا ہے:

In Muslim days, Cordova was the centre of European civilisation and one of the greatest seats of learning in the world. After the expulsion of the Moors from Spain, however, Cordova sank to the level of a provincial town. Yet her wonderful mosque is a superb legacy of the days when Cordova was the capital of the Arab Empire in Spain. "Traces of Arabic Influence in Spain" (۴۱)

اسلامی دورِ حکومت میں قرطبہ یورپی تہذیب کا مرکز اور دنیا کا سب سے بڑا علم و دانش کا مقام تھا۔ تاہم مسلمانوں کے سپین سے اخراج کے بعد قرطبہ کی حیثیت صوبائی شہر کی سی رہ گئی۔ وہ عظیم الشان مسجدِ قرطبہ ان عظیم دنوں کی یاد دلاتی ہے جب قرطبہ سپین میں عرب سلطنت کا دارالحکومت تھا۔

اسی حقیقت کو سر تھامس ڈبلیو آرنلڈ(Sir Thomas W. Arnold) نے یوں بیان کیا ہے:

دسویں صدی عیسوی میں ہی قرطبہ یورپ کا مہذب ترین اور متمدن شہر بن چکا تھا۔ یہ دنیا کے قابلِ تحسین اور حیران کن عجائبات میں شامل تھا۔ یہ ریاست ہائے بلقان کا ''وینس'' کہلاتا تھا۔ شمال سے جانے والے سیاحوں کے علم میں جب یہ بات آتی کہ اس شہر میں ۷۰ لائبریریاں اور ۹۰۰ حمام ہیں تو وہ خوف اور حیرت کے ملے جلے جذبے کا اظہار کرتے۔ لیون (Leon)، ناقار (Navarre)

اور برشلونہ (Barcelona) کی ریاستوں کے حکمرانوں کو جب کبھی سرجن، ماہر تعمیرات (Architect)، ماہرِ ملبوسات (Dressmaker) یا کسی عظیم موسیقار (Singer) کی خدمات کی ضرورت ہوتی تو ان کی نظریں قرطبہ کی طرف ہی اٹھتی تھیں اور وہ انہیں یہیں سے منگواتے تھے۔[۴۲]

اسی سے ملتے جلتے جذبات کا اظہار منٹگومری واٹ (W. Montgomery Watt)، ایچ ای برنیس(H.E. Barnes)، ہاسکنس (C.H.Haskins) اور گبز (G.R.Gibb) نے کیا ہے۔[۴۳]

۳۱ دسمبر ۲۰۰۸ء کو واشنگٹن سے انٹرنیٹ پر پوسٹ کیے گئے ایک مضمون آدھی رات کا سورج، بارہویں قسط: خوابوں خیالوں کا شہر سے ایک اقتباس منقول ہے:

میرا نام کاؤنٹ گونزالز ہے اور میرا تعلق شمالی سپین کی ریاست نوارے سے ہے۔ مجھے ایک وفد لے کر خلیفہ عبدالرحمٰن الثالث کی خدمت میں قرطبہ پیش ہونا تھا۔ چناں چہ میں ۹۴۹ء میں اپنے وفد کے ہمراہ جزیرہ نما آئبیریا کے وسط میں واقع اموی خلافت کے مرکز قرطبہ پہنچا۔ صدر دروازے پر ہمارا استقبال کیا گیا۔ سب سے پہلے تو ہمیں مسجد قرطبہ کی سیر کرائی گئی۔ مسجد کی عظمت و شکوہ اور اس کے اندر گہما گہمی دیکھ کر جو قصے سنے تھے ان پر کچھ کچھ یقین آنے لگا۔ اس کے بعد ہمیں قرطبہ کی گلیوں اور بازاروں سے گزارا گیا جہاں ریشم، اطلس، جواہرات کی زرق برق دوکانوں کے ساتھ ساتھ کتابوں کی بھی سینکڑوں دوکانیں تھیں۔ آخر یہ قرطبہ تھا جو اپنے علوم و فنون، شعرو ادب اور ریاضی و فلکیا ت کے لیے مشہور تھا۔ اس وقت قرطبہ کی آبادی ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ جو اس دور کے لندن، پیرس اور روم کی مشترکہ آبادیوں سے زیادہ تھی۔ پھر اس نے قصرِ الزہرا کی شان و شوکت بیان کی، جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں اور نہ ہی وہ محتاجِ بیاں ہے۔ اس پوری شان و شوکت کا تذکرہ کرنے کے بعد کاؤنٹ گونزالز کہتا ہے:

''ہال سے گزر کر آگے پہنچے تو وہاں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کے فرش پر ریت بچھی ہوئی تھی۔ کمرے کے بیچوں بیچ پیوند لگی گدڑی اوڑھے ہوئے ایک شخص بیٹھا تھا جس نے چولہے میں آگ جلا رکھی تھی اور وہ اس میں پھونکیں مار کر شعلے بڑھکانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی رحل پر قرآن رکھا ہوا تھا اور قریب ہی ایک تلوار پڑی ہوئی تھی، یہ اندلس کی تاریخ کا سب سے عظیم شہنشاہ خلیفۃ المؤمنین عبد الرحمٰن الثالث تھا''۔

اندلس پر مسلم حکومتوں کے دوران اندلس کی کوکھ سے عظیم علماء اور سائنس دانوں نے جنم لیا جن کے کارہائے نمایاں کی بدولت قرطبہ جیسا شہر قرونِ وسطیٰ میں رشکِ فلک بنا۔ ابن عبد البر جیسے مشہورِ زمانہ محقق اور عالم نے وہیں پرورش پائی۔ ان دنوں قرطبہ نہ صرف اندلس کی خلافت کا مرکز تھا بلکہ علم و ثقافت کا مرکز بھی تھا۔ یہاں متعدد تابعین اور تبع تابعین تشریف لائے، ہر علم و فن کے ستارے یہاں چمکتے دمکتے رہے۔ یہ نہ صرف مغرب میں اسلامی تہذیب کا مرکز تھا بلکہ علم و فن کی دنیا کا قبلہ شمار ہوتا تھا۔ اس کے علماء کی کثرت اور سنت کے ساتھ ان کے مضبوط لگاؤ کی وجہ سے بلادِ مغرب میں اہلِ قرطبہ کا عمل حجت قرار پاتا تھا اور لوگ دور دور سے سفر کرکے حدیث، ادب، فقہ، فلسفہ، طب، انجینئرنگ اور فلکیات وغیرہ جیسے علوم سیکھنے کے لیے پہنچتے تھے۔ یوں تو اہلِ اندلس سب ہی علم کے دل دادہ تھے مگر اہلِ قرطبہ کا ذوق اس بارے میں کوئی خاص ہی تھا۔ یہ لوگ کتابوں کی تلاش کے حد درجہ دل دادہ اور ان کے حصول پر مر مٹنے والے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرطبہ کے تمام اطراف میں کتب خانے قائم کرنے کا خوب رواج ہوا۔ کتابیں بیچنے والوں اور ان کے قلمی نسخے تیار کرنے والوں کی وہاں کثرت پائی جاتی تھی۔ نادر مخطوطات کے حصول کے لیے لوگ ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے، اہل قرطبہ کے ہاں علماء کا حد درجہ احترام اور توقیر و احتشام تھا۔ لوگ ان کی تعریفوں میں رطب اللسان رہتے، اپنے معاملات میں ان سے رائے لینے کے لیے جاتے اور اربابِ اختیار کے ہاں وہی مرجع کی حیثیت رکھتے۔[۴۴]

تنزلی کا آغاز

قرطبہ پر بُرا وقت اس وقت شروع ہوا جب یہاں کے لوگوں کے درمیان نسلی اختلافات نے جنم لیا۔ اہل قرطبہ اپنی اعلیٰ شان کی وجہ سے قوم بربر کو کم تر سمجھتے اور اکثر ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرتے جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہوئی اور بالآخر انہوں نے ہشام بن سلیمان بن عبد الناصر کو الرشید کا لقب دے کر اپنا سردار بنا لیا اور اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے عیسائیوں کی طرف مدد کے لیے ہاتھ بڑھایا اور عیسائیوں کی مدد سے قرطبہ پر متعدد حملے کیے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرطبہ پر ان کا قبضہ ہوگیا اور انہوں نے معرکۂ قنتش میں ہزاروں لوگوں کو قتل کیا اور تیس ہزار لڑاکا سپاہیوں پر مشتمل بربر اور نصاریٰ کا لشکر قرطبہ میں داخل ہوگیا۔ انہوں نے یہاں کے تعلیم یافتہ طبقے کو خاص طور پر نشانہ بنایا جس کے نتیجے میں ائمۂ مساجد اور مؤذنین کی ایک کثیر تعداد قتل ہوگئی۔ سیاسی طور پر بھی یہاں کے لوگوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس سے بددل ہوکر اہلِ علم نے قرطبہ

کو چھوڑ کر اندلس کے دوسرے شہروں کا رخ کیا۔ اسی دور میں ابن عبد البرؒ اور محمد ابن حزمؒ جیسے لوگوں نے قرطبہ چھوڑا۔ یہ لوگ بربر اور نصاریٰ کے ہاتھوں مشائخ علم کا جو حال ہوا اسے دیکھ چکے تھے جن میں ایک مثال ابوالولید بن الفرضی کی بھی ہے جنہیں گھر کے اندر قتل کر دیا گیا تھا اور ان کی نعش تین دن تک بے گور و کفن پڑی رہی۔ ان فتنوں کی ابتدا ربیع الاول ۴۰۰ھ میں ہوگئی تھی، جس سے سخت سیاسی انحطاط شروع ہوا بالخصوص علماء کو جب سیاسی معرکوں کے نتیجے میں علم ضائع ہوتا نظر آیا تو انہوں نے سیاست اور سیاسی لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور تحفظِ علم کی راہیں ڈھونڈنے پر توجہ دی۔ اس دورِ انحطاط میں علمی ترقی میں کافی تیزی دیکھنے میں آئی۔ عقلی اور نقلی علوم میں پہلے سے زیادہ ترقی ہوئی اور طلباء دور دور سے علماء کو تلاش کرکے ان کے شہروں اور بستیوں میں جاکر علم حاصل کرتے۔ سیاسی انحطاط کی وجہ سے بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ اربابِ اختیار علماء کے فعال کردار سے بڑی حد تک محروم ہوگئے جو کسی بھی اسلامی ریاست کے لیے ایک بہت بڑا نقصان ہوتا ہے مگر اس کا ایک ہلکا سا مثبت پہلو یہ سامنے آیا کہ علماء شہر چھوڑ کر بستیوں اور دیہاتوں میں چلے گئے۔ ان کے پاس وہاں جو طلباء پہنچتے انہیں زیادہ توجہ اور خلوص سے علم حاصل کرنے کا موقع ملتا۔ اہلِ اندلس کا جو علمی ذخیرہ آج بھی ہمارے ہاں دستیاب ہے وہ پوری اسلامی دنیا کے علمی ذخیرے سے نرالا اور معاشرے کی ضروریات سے قریب تر ہے۔ اہل علم کے لیے یہی ایک مثالی نمونہ ہے کہ اگر معاشرے ایسے سیاسی بگاڑ کا شکار ہوجائیں جس سے اصلاح کی توقع نہ رہے تو علم کے تحفظ اور ترویج کے لیے دیہاتوں اور ویرانوں کا رخ کریں اور روکھی سوکھی کھا کر تحفظِ علم کا فریضہ سرانجام دیں۔

بنو امیہ کے خلاف آخری انقلاب وہ تھا جس میں اہلِ قرطبہ نے خلیفہ المعتمد باللہ کے خلاف خروج کیا اور اسے اپنے ولی عہد بھائی سمیت شہر سے نکال دیا۔ یہ ۴۲۲ھ کی بات ہے اسی پر بنو امیہ کی خلافت ختم ہوئی اور اندلس ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا جس میں بہت سی چھوٹی چھوٹی مملکتیں بن گئیں۔ اندلس کے وسط میں قرطبہ کی عمارت ابو الحزم جہور کے حصے میں آئی جو ۴۲۲ھ سے شروع ہوئی اور ۴۶۱ھ تک قائم رہی۔ ۴۶۸ء میں قرطبہ پر بنو عباد کی حکومت قائم ہوگئی ۔اس کے بعد بھی امراء کا کچھ نہ کچھ علم کے ساتھ تعلق رہا مگر علم کی اشاعت اس درجے پر نہ پہنچ سکی جہاں بنوامیہ کے دور میں رہی تھی۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ دولۃ الاسلام فی الاندلس۱:۵۱۔

۲۔ نفح الطیب، مقری۱:۵۱۹ ۔

۳۔ بال جبرئیل، مسجد قرطبہ۔

۴۔ الحوزۃ العلمیۃ فی النجف معالمھا وحرکتھا الاصلاحیۃ علی البھادلی، دارالزہراء للطباعۃ والنشر ۱۹۸۰ء، ص۵۰، الحکم المستنصر باللہ www.ar.wikipidia.org/wiki

۵۔ اندلس کی اسلامی میراث، ترتیب و تدوین ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن، مقالہ: اندلس میں علمی سرگرمیاں، ڈاکٹر طفیل ہاشمی، ص۶۶۹۔

۶۔ علوم القرآن عندابن عبد البر ۱:۲۵

۷۔ نفح الطیب، مقری، الباب الرابع: ذکر قرطبۃ الزھراء والزاھرات ۱ :۴۶۳۔

۸۔ الاعتصام، شاطبی ۲:۱۱۴۔

۹۔ نفح الطیب، مقری، الباب الرابع: ذکر قرطبۃ الزھراء والزاھرات۔

۱۰۔ اندلس کی اسلامی میراث، تدوین ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن، مقالہ: اندلس میں علمی سرگرمیاں، ڈاکٹر طفیل ہاشمی، ص ۶۶۷۔

11-http://www.voanews.com/urdu/news/a-25-2008-12-03-voa27.html?rss=arts+and+entertainment

۱۲۔ الاسلام والغرب، نصر بن محمد الصنقری، مری مطروح ۱:۲۰، ألفونس و_ السادس_ ملک_ قشتالۃ http://ar.wikipedia.org/wiki/

13- The Influence of Islam on Medieval Europe, Montgomery Watt, P.25,

۱۴۔ رمز شناسائی، تفسیر قرطبی اردو ۱:xlix بحوالہ اندلس کا تاریخی جغرافیہ، ص۳۶۸۔

۱۵۔ المعجم فی تلخیص اخبار المغرب، عبدالواحد المراکشی، الموسوعۃ الشاملۃ، موقع الوراق ۱:۱۵۹

۱۶۔ مدنیۃ المسلمین فی الاندلس، جوزف مالک کیب، ص۸۴-۸۵

۱۷۔ انٹرنیٹ میں ویب سائٹ http://ejabat.google.com/ejabat/thread?tid=247 2fc0c0abf4e2c پر بھی اس پر ایک دلچسپ مباحثہ موجود ہے۔

۱۸۔ الوجود الاسلامی فی الامریکتین قبل کرستوفر کولمبس، ڈاکٹر علی بن المنتصر الکتانی۔

۱۹۔ The Day the Universe Changed, James Burke، عربی ترجمہ ''عند ما تغیر العالم، لیلیٰ الجبالی، نظرثانی شوقی جلال، ص۵۱۔

۲۰۔ حوالہ بالا، ص ۵۱۔

۲۱۔ شعار الفاتکان...... النجاسۃ من الایمان!! محمد سعید رسلان۱:۲۶۔

22- W.Montgomery Watt, A History of Islamic Spain P:157

۲۳۔ الاسلام و خرافۃ السیف ۱:۸۹۔

۲۴۔ کتاب الموسوعة الدفاع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، علی بن نایف الشحو د ۱۸۲:۵۔

۲۵۔ کتاب الموسوعة الدفاع عن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم، علی بن نایف الشحو د ۱۸۴:۵۔

۲۶۔ کتاب الموسوعة الدفاع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، علی بن نایف الشحو د ۱۹۷:۵ بحوالہ تاریخ عالم، جواہر لال نہرو۔

۲۷۔ ان معمولات کے تحت مختلف کتب سے مسجد قرطبہ کے اندر ہونے والی عبادات اور اس سے متعلقہ اس دور کے مصنفین کے آنکھوں دیکھے حال کے کچھ نمونے نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۸۔ الاستقصاء، جزو اول، ص۵۰،تفسیر الحدیث، محمد عزت دروزہ، داراحیاء الکتب العربیۃ، القاہرۃ ۱۲۸:۶۔

۲۹۔ الاعتصام، شاطبی، الباب الخامس فی احکام البدع ۳۰:۲۔

۳۰۔ الاعتصام، شاطبی، الباب السادس فی احکام البدع وانها لیست...... ۳۰:۲۔

۳۱۔ التحریر والتنویر، محمد الطاہر بن عاشور ۶۲:۱۔

۳۲۔ تفسیر اطفیش ۴۹۳:۶۔

۳۳۔ تحفة الترک فیما یجب أن یعمل فی الملک، نجم الدین الطرطوسی، الفصل الثانی عشر فی الجهاد ووقسمة، هوامش التعلیق علی القسم الدراسي ۸۸:۱، ۲۵۶

۳۴۔ الحضارة الاسلامیة فی الأندلس وأثرها فی أوروبا، ص۹، مقالات موقع الألوکہ۔

۳۴۔ الاعتصام، شاطبی ۱۱۴:۲۔

۳۶۔ ابن صاحب الصلوٰۃ کے نام سے متعدد لوگوں کے تذکرے کتب تراجم میں ملتے ہیں مگر یہاں ابو محمد ابراہیم کا نام ہے۔ یہ نام اس اختصار کے ساتھ کہیں نہیں مل سکا البتہ ابو عبد اللہ الانصاری المراکشی نے السفر الخامس من کتاب الذیل والتکملة لکتابي الموصول والصلة ۳۲:۱ میں ان کا پورا نام ابو مروان یا ابو محمد عبد الملک بن محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم المعروف ابن صاحب الصلوٰۃ اور الباجی لکھا ہے۔ یہ بہت بڑے ادیب اور ماہر انشاپرداز تھے، تاریخ ان کا خاص موضوع تھا۔ تاریخ میں ان کی تصنیف تاریخ ثورة المریدین بالاندلس اور دوسری کتاب المن بالامامة علی المستضعفین ہیں۔ دوسری کتاب کا نام ''دولة عبد المومن ومن ادرک بحیاته من بنیه'' بھی ملتا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں تحریر اور معلومات دونوں کے لحاظ سے انہوں نے کمال کیا ہے۔ زرکلی نے الأعلام ۱۶۴:۴ میں ان کا نام اسی طرح لمبا لکھا ہے اور ان کی تاریخ وفات ۵۹۴ھ بمطابق ۱۱۹۷ء لکھی ہے اور ان کے نام کے ساتھ الباجی الاشبیلی کا اضافہ بھی کیاہے اور لکھا ہے کہ یہ اہل باجہ سے تھے اور کچھ عرصہ اشبیلیہ، قرمونہ، قرطبہ اور مراکش میں رہے اور تاحیات موحدین خلفاء کی خدمت سے منسلک رہے۔ مسجد قرطبہ کے بارے میں ان کا یہ وصف کسی خلیفہ کے نام خط معلوم ہوتا ہے، غالبًا یہ خلیفہ عبد المومن ہی ہیں یا عبد المومن کے بیٹے یوسف بن عبد المومن ہیں جو مراکش میں دولت موحدین کے بادشاہ تھے اور ان کی تاریخ وفات ۵۸۰ھ بمطابق ۱۱۸۴ء ہے، جو زمانے کے لحاظ سے ابن صاحب الصلوٰۃ کا زمانہ بنتا ہے۔ أعلام زرکلی ۲۴۱:۸۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس وقت قرطبہ میں نہیں رہتے تھے شاید ان کے والد گرامی یا ان کے اجداد میں سے کوئی شخص مسجد قرطبہ کی امامت پر فائز رہا اور اپنے خط میں یہ اسی پرانے تعلق کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ یوسف بن عبد المومن کا دارالحکومت چوں کہ مراکش تھا اور ایک عرصہ تک قرطبہ وغیرہ طوائف الملوکی کے دور میں بھی موحدین کے ماتحت رہے تو اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صاحب الصلوٰۃ جب قرطبہ آئے

تو بادشاہ یہاں نہیں تھا البتہ چوں کہ مساجد کے انتظامات حکومت ہی کے تحت ہوتے تھے اس لیے انہوں نے دارالحکومت میں بادشاہ کو خط لکھ کر لیلۃ القدر کے موقع پر مسجد قرطبہ کی رونقوں کا منظر بتایا، واللہ أعلم۔

۳۷۔ **نفح الطیب من غصن الأندلس الرطیب**، احمد بن المقری التلمسانی، تحقیق احسان عباس ۱:۵۵۲، اس خط میں تین نام ایسے ہیں جن کے بارے میں مختصر تذکرہ کرنا قارئین کے لیے مفید رہے گا۔ ایک تو اقلیدس کا نام ہے جو بڑا ریاضی دان تھا اور ابن صاحب الصلوٰۃ نے اس کے حساب و کتاب کی طرف اشارہ کرکے مسجد کی وسعت کے باوجود لوگوں کی کثرت کی بنا پر محدود جگہ ہر شخص کے حصے میں آنے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دوسرا نام ابوجہم کا ہے کہ بچے یوں دوڑنے لگتے جیسے ابوجہم نے اپنا کوڑا ان کے سر پر دے مارا ہو۔ ابوجہم عدوی صحابی تھے اور بچوں کی تربیت کا خاص خیال رکھتے تھے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ابوجہمؓ اپنے گھر والوں سے کوڑا نہیں ہٹاتا۔ تیسرا نام عمیر بن ضابی کا تھا کہ بچے یوں بھاگتے جیسے عمیر بن ضابی نے ان کو کنکر سے نشانہ بنایا ہو۔ یہ وہ شخص ہے کہ جب حجاج بن یوسف کوفہ کے منبر پر آکر بیٹھا تو اس نے کنکر اٹھا کر اس کی طرف پھینکا تھا۔

۳۸۔ **نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب**، احمد بن المقری التلمسانی ۱:۱۵۶۔

39- http://www.alhjaz.org/showthread.php?t=20082

40- Islamic Culture 11 : 336 July, 1937

41- The legacy of Islam

۴۲۔ قرون وسطیٰ میں سائنسی علوم کا فروغ، حصہ دوم

http://www.minhajbooks.com/ur.php?control=btext&cid=19&bid=210&btid=15&read=txt

۴۳۔ ابن عبد البر الاندلسی وجهوده فی التاریخ، سعود جاسم، ص۱۱۳، نفح الطیب، مقری ۲:۹۳۔

۴۴۔ **نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب**، احمد بن المقری التلمسانی ۱:۱۵۶۔